جدید اردو افسانہ اور رسالہ ''شب خون'' ایک جائزہ

رابعہ بی بی پی ایچ ڈی سکالر شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ
ڈاکٹر الطاف یوسف زئی ایسوسی ایٹ پروفیسر ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ
ڈاکٹر راحیلہ بی بی، اسسٹنٹ پروفیسر شہید بے نظیر ومن یونیورسٹی، پشاور

Abstract:

When progressive literary movement took the form of propaganda in Urdu literature.Shams.ur.Rehman Farooqi, who is a pioneer of modernity, saw that fiction writers had started writing fiction like newspapers. To address this, he tried to prevent fiction from becoming news worthy .Shams.ur.Rehman Farooqi published magazine in 1966 called Shab Khoon. This Magazine laid the foundation of the revolutionary trends of modernity in Urdu literature. It provided a platform for fiction writers in the modern scenario. Shab Khoon promoted symbolic and abstract fiction. Shams-ur-Rehman Farooqi published fiction in this magazine, which had introduced creative glory and new experiences. Political or social motives were not given precedence over art in these myths. New experiments in Urdu fiction brought newness and freshness to the fiction. Farooqi introduced the reader a new thinking. Introduced new fiction writers to the literary world. Many fictions reached the readers through this magazine.

جدید افسانے کا پس منظر:

ترقی پسند تحریک کا آغاز ۱۹۳۶ء میں ہوا تھا اور تقریباً بیس سال تک اس تحریک کے اثرات اردو ادب پر رہے۔اس دور میں اردو افسانے نے بہت ترقی کی اس عہد کو ناقدوں نے اردو افسانے کا سنہری دور کہا ہے۔اس زمانے میں جو ادب لکھا جا رہا تھا وہ ایک خاص نظریے کے تابع تھا۔افسانہ دوسری اصناف کے مقابلے میں زیادہ حقیقت بینی سے پیش کرتا ہے اس میں اپنا فی الضمیر لوگوں تک پہنچانا زیادہ آسان ہوتا ہے اس لیےاس دور کے ادیبوں نے باقی اصناف کی بہ نسبت افسانے کو اپنے مقصد کو لوگوں تک پہنچانے کا بہترین وسیلہ سمجھا۔ بیشتر ترقی پسند ادیبوں نے اس صنف میں ہی طبع آزمائی کی لیکن اس تحریک نے جب ادب کو ایک خاص نظریے میں قید کرنے کی کوشش کی ۔ادب میں سطحیت آگئی افسانے نے نعروں کی صورت اختیار کر لی تو نتیجہ اس کے زوال کی صورت میں سامنے آیا اور ۱۹۵۵ء تک یہ تحریک اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔اس دور کے افسانہ نگار ایک خاص نظریہ کے ترجمان بن گئے تو تب افسانہ افسانہ نہ رہا بلکہ اشتہار بن گیا۔جب ترقی پسند ادب نے پروپیگنڈے کی صورت اختیار کر لی۔اس کے موضوعات میں یکسانیت پائی جانے لگی تو یہ تحریک زوال پذیر ہونے لگی۔ جس کی وضاحت کرتے ہوئے عامر نظیر ڈار لکھتے ہیں:

"ہر عروج کے بعد زوال ہوتا ہے شاید اس تحریک کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ یہ تحریک ،آزادی ہند سے قبل جب عروج پر تھی تو اسی زمانے میں تحریک آزادی کے اثرات شدت سے سماج پر منعکس ہوئے جس سے ادب بھی اچھوتا نہ رہ سکا اور اس میں حب الوطنی، جذبہ قومیت اور اتحاد کو فروغ دینے والے خیالات کا غلبہ ہونے لگا۔ جس نے ملک بھر میں ہلچل مچا دی ۔حالات و واقعات کے اثرات سب سے پہلے ادب پر ہی منعکس ہوتے ہیں۔ بالکل یہی اس وقت ہوا کہ ادب میں نعرہ بازی،فسادات ،ہجرت ،پناہ گزیں کیمپوں کی صورتِ حال ،بد تر معاشی حالات کے سماجی زندگی پر پڑنے والے اثرات اردو ادب بالخصوص افسانے پر نظر آنے لگے۔اس دوران ترقی پسند افسانہ نگاروں کی ایک طویل فہرست تھی جو افسانے تحریر کر رہے تھے ،ان کے افسانوں میں جگہ جگہ نعرہ بازی اور فسادات وغیرہ کے موضوعات تھے۔ جس سے اردو افسانہ

> پروپیگنڈہ بن گیا تھا۔ جب ادب پروپیگنڈے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ تو سمجھ لینا چاہئے کہ اب یہ ادب زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ پائے گا۔"(۱)

موضوعات کی یک رنگی اور نظریہ کی انتہا پسندی نے ادیبوں کو اس تحریک سے الگ کر دیا۔ اب کچھ ایسے ادیبوں کا ایک گروہ سامنے آیا جن کے تصورات، خیالات ان سے مختلف تھے۔ یہ خود کو ترقی پسند تحریک سے الگ سمجھتے تھے۔ لاہور میں حلقہ ارباب ذوق سے تعلق رکھنے والا ادیبوں کا ایسا گروہ تھا جو خود کو ترقی پسند تحریک سے الگ قرار دیتے۔ یہ ترقی پسند تحریک کے معاون نہیں تھے۔ ان کے تصورات ترقی پسندوں سے مختلف تھے۔ اس کے بارے میں شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں:

> "ترقی پسندی کے بیس سال کے اندر اندر ہی ایک حلقہء ایسے لوگوں کا پیدا ہو گیا تھا۔ کہ لاہور میں حلقہء اربابِ ذوق نام کا جو کہ ترقی پسند تحریک کے موید اور معاون نہیں تھے۔ وہ الگ سمجھتے تھے اپنے آپ کو۔۔۔۔۔۔ ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے بھی ایسے لوگ موجود تھے جو ترقی پسند نہیں تھے یا اپنے آپ کو ترقی پسند مانتے بھی تھے تو ان کو ترقی پسند تحریک کے بڑے لو گوں نے ترقی پسند قرار نہیں دیا اور ان کو ترقی پسندی سے خارج کر دیا، یا وہ خود ہی اس سے الگ ہوتے چلے گئے۔ ان لوگوں کے یہاں کچھ تصورات اور تھے نہ ادب کے بارے میں۔ وہ ترقی پسند خیالات سے مختلف تھے۔ یہ لوگ ترقی پسندی سے منکر تھے لیکن بنیادی طور پر ادب کے بارے میں کوئی خاص نظریہ لے کر نہیں آئے تھے۔ ترقی پسندی کے ۲۵۔ ۳۰ سال کے اندر یہ ہوا کہ ایسے لکھنے والے پیدا ہوئے۔ جنھوں نے ایک تو یہ کیا کہ ترقی پسندی کی نظریاتی بنیادوں کو پوری طرح سے رد کیا۔"(۲)

یعنی ہندوستان کی تقسیم کے بعد سیاسی، سماجی، تہذیبی سطح پر بہت سی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں جو انفرادی طور پر اور مجموعی طور پر انسان کی زندگی پر اپنے اثرات مرتب کر رہی تھیں۔ جس سے انسان کی زندگی کے طور طریقے ہی نہیں بدلے بلکہ انسان کے سوچنے کا انداز بھی بدل گیا۔ اس کے اثرات ادب پر بھی پڑے۔ یہ وہ دور ہے جس نے تمام اصنافِ ادب پر اپنے اثرات ڈالے لیکن اس دور میں جو جدید افسانہ وجود میں آیا وہ ترقی پسند افسانے کا ردِ عمل معلوم ہوتا ہے۔ اس دور

کے افسانہ نگاروں نے طے شدہ قواعد و روایات سے انحراف کیا۔اردو افسانے میں ترقی پسندوں کے دور میں جو یک رنگی اور یکسانیت در آئی تھی اس سے قاری اور نیا افسانہ نگار دونوں بیزار تھے۔ادیب ایک ہی نظریے کا پرچار کر کر کے اب کچھ نیا کرنا چاہتے تھے۔ادیب اپنے گمشدہ وجود کی تلاش کے لئے نئ زمینوں کی تلاش میں سر گرداں ہوگئے۔اس کو اردو افسانے کا تجرباتی دور کہا جاتا ہے جس میں افسانہ نگاروں نے روایت سے بغاوت کی۔افسانہ لکھنے کے روایتی انداز کو یکسر بدل دیا۔جدید افسانے کے موضوعات اس کی تکنیک،ہیئت اور اسلوب میں ترقی پسند افسانے سے انحراف نظر آنے لگا اس دور میں علامتی اور تجریدی افسانے کو فروغ ملا۔اس طرح کے افسانے جب لکھے جانے لگے تو ایک طرف اس نئے افسانے کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا لیکن دوسری طرف کچھ ایسے لوگ موجود تھے جنھوں نے اردو جدید افسانے میں ہونے والے ان ہئیتی و تکنیکی تجربات کو اردو افسانے کے حق میں بہتر سمجھا اور جدیدیت کے رجحان کے تحت لکھے گئے افسانے کو فروغ دیا۔شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے رسالے ''شب خون'' کی بدولت اس جدید افسانے کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔اس کی وساطت سے جدید اردو افسانہ قارئین تک پہنچنے لگا۔اردو افسانے کی تاریخ میں جدید افسانے کا ایک نیا باب رقم کیا۔

''شب خون''اور جدید افسانہ:

''شب خون'' رسالے کا اجراء۱۹۶۶ء میں ہوا۔یہ وہ دور ہے جب جدیدیت کا رجحان واضح طور پر سامنے آچکا تھا۔شمس الرحمٰن فاروقی ''شب خون'' کے روح رواں تھے انھوں نے ترقی پسند نظریات کو رد کیا اور ''شب خون'' کے پلیٹ فارم سے جدیدیت کو فروغ دینے کی کوشش کی۔اس رسالے نے جدیدیت کے رجحان کو عام کرنے کی کوشش کی اور اس کو ایک مشن کے طور پر اپنایا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جدیدیت کے رجحان کو عام کرنے میں ایک ادارے کا کردار ادا کیا۔اس رسالے کے اجراء کے جہاں بہت سے اسباب تھے۔وہاں ہی ایک بڑا سبب جدیدیت کا فروغ بھی تھا یعنی ترقی پسند ادب جو نظریے کی دھڑے بندی میں قید رہنے کی وجہ سے کافی حد تک بے جان ہو چکا ہے۔اس کی جگہ لینے کے لئے ایسا ادب سامنے لایا جائے جو نئے حالات کا نمائندہ ہو۔شب خون کے اجراء کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں:

> ''اس کا پہلا سبب تو یہ تھا کہ نئے لکھنے والوں اور نئے سوچنے والوں (جن میں میں خود کو بھی شامل کرتا تھا) ان کے لئے لکھنے اور تبادلہ ءخیال کا معتبر اور مستقل میدان مہیا کیا جائے۔دوسری بات

یہ کہ ترقی پسند ادب اس وقت تک بڑی حد تک بے جان ہو چکا تھا اور ضرورت تھی کہ اس کی جگہ لینے کے لئے ایسا ادب سامنے لایا جائے جو نئے حالات کی نمائندگی کرتا ہو اور جو ترقی پسند ادب کی طرح نظریے کی انتہا پسندی کا شکار نہ ہو۔"(۳)

شمس الرحمٰن فاروقی اس رسالے کو ۳۹ سال تک کامیابی سے نکالتے رہے۔اس ۳۹ سال کے عرصے میں اس رسالے نے جہاں دوسری اصنافِ ادب کو اپنے رسالے میں شائع کیا۔ وہاں ہی جدیدیت کے تحت افسانے لکھنے والے افسانہ نگاروں کا ایک بڑا حلقہ تھا جو اس رسالے سے وابستہ تھے۔اس رسالے کے ۲۹۳ شماروں میں ۲۸۵ افسانہ نگاروں کے ۱۱۲۱ افسانے شائع ہوئے۔اس رسالے نے اردو افسانے کے خزانے میں گراں قدر اضافہ کیا۔ جدیدیت کے اس رجحان کے نمائندے سمجھتے تھے کہ ترقی پسند جس قسم کے مقصدی افسانے لکھ رہے ہیں۔وہ ادب کے حق میں نقصان دہ ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے بھی یہ کوشش کی کہ افسانے کو خبروں کی مماثلت ہونے سے بچایا جائے۔ترقی پسند افسانے نے جب پروپیگنڈے اور خبروں کی صورت اختیار کی تو جدید ادیبوں نے اس کے تدارک کے لئے جدید افسانہ لکھا۔ جس کے بارے میں محمد متین ندوی لکھتے ہیں:

"جب جدیدیت کے علمبردار شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے یہ دیکھا کہ بہت سے افسانہ نگاروں نے افسانوں کو اخباروں کی خبروں کے سے انداز میں لکھنا شروع کر دیا ہے، تو اس کے تدارک کے لئے انھوں نے یہ کوشش کی کہ افسانے کو خبروں کی مانند ہونے سے بچایا جائے"(۴)

ترقی پسندوں کے نظریاتی گوشے چونکہ زیادہ تر افسانے میں ہی کھلے تھے۔انھوں نے اپنے نظریات کا پرچار کرنے کے لیے صنفِ افسانہ کا انتخاب کیا۔اب جدید افسانہ نگاروں نے اردو افسانے کے روایتی انداز سے انحراف کیا اور ترقی پسندوں کے دور میں جس قسم کے وضاحتی افسانے لکھے جا رہے تھے اس کے مقابلے میں تجریدی او رعلامتی افسانے لکھے جانے لگے اس کے موضوعات بیان کرنے کا انداز افسانے کی ہئیت، تکنیک ان سے مختلف تھی لوگ شروع میں ان علامتی افسانوں کو قدرِ حیرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ علامتی افسانہ اور تجریدی افسانہ اعتراضات کی زد میں تھا شمس الرحمٰن فاروقی نے جدیدیت کے رجحان کے تحت افسانہ لکھنے والے لکھاریوں کو اعتماد بخشا اور ان کے علامتی اور تجریدی افسانوں کو اپنے رسالے

''شب خون'' کی وساطت سے قارئین تک پہنچایا۔ قمر رئیس ''شب خون'' کے علامتی افسانے کے فروغ کے لیے کیے جانے والے اقدامات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ساتویں دہائی کا غالب رجحان ترقی پسند افسانے کی روایت سے گریز اور علامتی افسانہ کا فروغ ہے ۔اس رجحان کو جس نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی تھی ''شب خون'' اور ''آہنگ'' جیسے رسائل نے فروغ دینے کی کوشش کی اس کے شواہد موجود ہیں کہ نئے ادیبوں کو تجریدی اور علامتی افسانے لکھنے کی باقاعدہ ترتیب و ترغیب دی جاتی تھی۔''(۵)

''شب خون'' کو شمس الرحمٰن فاروقی سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا کیونکہ یہ رسالہ شمس الرحمٰن فاروقی کی شخصیت کا آئینہ دار ہے اور اس کے ہر صفحے سے شمس الرحمٰن فاروقی کی شخصیت جھلکتی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی چونکہ جدیدیت کے حامی تھے انھوں نے ترقی پسند نظریات کو رد کیا اور ''شب خون'' کے پلیٹ فارم سے جدیدیت کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ جدیدیت کا رجحان جب عام ہوا تو اس کے ترقی پسندوں سے مختلف کچھ بنیادی تصورات تھے۔ جن پر عمل کرنے والا ''جدید'' کہلانے لگا۔ ترقی پسند تحریک کی بنیاد نظریہ پر رکھی گئی تھی۔ اس لیے اس تحریک سے وابستہ لوگوں نے وہ ادب تخلیق کیا جو ان کے منشور اور ان کے نظریے کے اصولوں کے مطابق تھا۔ ترقی پسند تحریک کے انتہا پسند رویے نے جدید ادب کو فروغ دیا۔ ترقی پسندوں نے ادب کو ایک خاص نظریے کا پابند بنا دیا تھا لیکن جدیدیت نے ادب کو فلسفے اور نظریے کی قید سے آزاد کر دیا۔ شمس الرحمٰن فاروقی اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''جدیدیت نے سب سے پہلے یہ کہا کہ ادب کو کسی فلسفے، کسی نظریے، کسی پابندی کا محکوم نہیں ہونا چاہئے۔ ترقی پسند ادب کہتا تھا کہ ادیب کو ایک خاص نظریے کا محکوم ہونا چاہئے۔ ہم نے کہا کہ ادیب کو حق ہونا چاہئے کہ وہ کسی کی توقعات کو پورا کرنے کے لئے نہ لکھے بلکہ وہ اپنے طور پر جو سمجھتا سوچتا ہے وہ بیان کرے۔ دوسری بات یہ کہ زمانے کے نئے تقاضوں نے ادب کے معاملے میں بھی کچھ تبدیلیاں برپا کر دی ہیں۔ مثلاً اب لوگ ادب سے یہ توقع نہیں کرتے کہ اس سے کچھ اصلاح یا فائدہ ہو بلکہ لوگ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ادب سے مجھے اپنے بارے میں ،انسان کے وجود کے بارے میں، کیا معلوم ہو۔''(۶)

اس رجحان نے تخلیق کار کو اظہار رائے کی آزادی دی۔ادیب اب کسی خاص نظریے کا غلام نہیں رہا کہ وہ جو بھی ادب تخلیق کرے اس میں اس نظریے کے اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کا پرچار کرے بلکہ اب ادیب آزاد ہے۔وہ اپنے طور پر جو دیکھتا ہے جو محسوس کرتا ہے وہ لکھ سکتا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی ادب کو کسی تصور کے تابع قرار دینا ادب کی موت قرار دیتے ہیں انھوں نے جدید افسانے کی تائید اسی لیے کی تھی کہ اس افسانے میں عوامی مقاصد کی خدمت افسانہ نگار کا فریضہ نہیں ہے شمس الرحمٰن فاروقی اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’’ترقی پسند افسانے (یا پریم چند کے نمونے پر لکھے ہوئے افسانے) کے مبلغوں نے اس افسانے کی تائید اس لئے کی تھی کہ اس میں ’’عوامی مقاصد‘‘ کی خدمت آسان تھی اور میں نے جدید طرز کے افسانے کی تائید اس لئے کی تھی،اور اب بھی میں اس تائید پر قائم ہوں، کہ اس میں ’’عوامی مقاصد‘‘ کی خدمت افسانہ نگار کا اولین فریضہ نہیں تھا افسانے، یا کسی فن کو کسی غیر منطقی تصور کے تابع قرار دینا البتہ ایسی بات ہے جس سے ادب کی موت کا امکان قوی ہو جاتا ہے۔‘‘(۷)

شمس الرحمٰن فاروقی کی سوچ یہ تھی کہ ہم شعر کہنے لگیں یا کوئی افسانہ لکھیں تو خود کو پہلے سے پابند کر لیں کہ ہم اس تخلیق میں فلاں نظریے کی پابندی کر رہے ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی کہتے ہیں کہ میں اس بات کی سخت مخالفت کرتا ہوں کہ کوئی بطور امام، سیاسی رہنما یا بطور مربی ہم سے کسی نظریے کی پابندی کروائے۔ادب کو اس قسم کی پابندی سے آزاد ہونا چاہئے۔ ترقی پسند تحریک کے تحت جو ادب لکھا گیا وہ مقصدی ادب تھا۔اس میں معاشرتی مسائل اور انسان کی اصلاح پر توجہ مرکوز تھی۔ معاشرتی مسائل کو افسانوں کا موضوع بنایا گیا ان کا خیال تھا کہ اگر سماج کے مسائل بیان ہو جائیں تو انسان کے مسائل بھی بیان ہو جائیں گے لیکن جدیدیت کے رجحان کے تحت لکھے گئے افسانوں کا محور فرد ہے۔فرد کی پریشانیاں اس کی ذہنی الجھنیں جدید افسانوں کا موضوع بنیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی کو ترقی پسند نظریات میں جو چیز نامکمل لگتی ہے وہ انسان کی ذات پر زور نہ دینا ہے۔اس بارے میں شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں:

> ’’ترقی پسند نظریات میں جو چیز مجھے سب سے زیادہ نامکمل معلوم ہوئی وہ یہ تھا کہ ان کے یہاں فرد پر کوئی زور نہیں تھا۔انسان کے اپنے وجود پر،اس کے مسائل پر،اس کے اپنے داخلی باطنی تصورات پر، کوئی زور نہیں تھا۔انسان صرف سماج کا حصہ تھا اور مفروضہ یہ تھا کہ سماج کے

مسائل اگر بیان ہو جائیں تو انسان کے مسائل بیان ہو جائیں گے۔اس پر طرہ یہ کہ سماج کے مسائل کے بارے میں بتانے والا کون ہے کمیونسٹ پارٹی یا مارکس یعنی سماج کے کوئی ایسے مسائل ہیں جنھیں پارٹی پروگرام یا مارکسی تھیوری میں جگہ حاصل نہیں ہے تو وہ سماج کے مسائل نہیں کہلائیں گے۔تو مطلب کہنے کا یہ ہے کہ سب سے پہلی بات مجھے یہ نظر آئی کہ خود میرے ایک انسان کی حیثیت سے، کوئی تصورات یا خیالات ہیں، کچھ پریشانیاں ہیں، کچھ ذہنی الجھنیں ہیں کچھ گہرائیاں ہیں میری، لیکن ترقی پسند ادیب کی حیثیت سے میں ان کو ظاہر نہیں کر سکتا کہ میرا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔وجود تو سماج یا پارٹی کا ہے۔"(۸)

یعنی "شب خون" نے جس قسم کے افسانوں کو اپنے رسالے میں شائع کیا ان جدید افسانوں میں انسان کے داخلی باطنی تصورات پر زور دیا گیا فرد کے وجود کو اہمیت دی گئی۔ادیبوں نے فرد کی ذہنی الجھنوں انسان کی پریشانیوں اس کے احساسات و جذبات کو اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا۔داخلی حقیقت نگاری اس دور کے افسانوں کا اہم موضوع تھا۔ترقی پسند افسانہ نگاروں نے خارجی حقیقت نگاری کو اپنے افسانوں میں بیان کیا لیکن جدید افسانہ نگار نے فرد کی ذات کے اندروں میں غوطہ لگا کر اس کے اندر چھپے احساسات اس کی دلی کیفیات کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔اس جدید دور کے افسانہ نگار نے بھی سماجی مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا لیکن پہلے کے افسانہ نگار اور جدید افسانہ میں سب سے بڑا فرق اندازِ بیان کا فرق تھا یعنی سماجی مسائل نے انسان کے باطن پر جو اثرات مرتب کئے ان کو اپنے افسانوں میں جگہ دی۔جدید افسانے میں انسان کی داخلیت پر توجہ دی گئی اس بارے میں سلیم اختر لکھتے ہیں:

"اب افسانے کا رخ خارج سے ہٹا کر باطن کی دنیا کی طرف موڑ دیا گیا۔ترقی پسند ادب میں انسان اور انسان دوستی پہلے آدرش بنے اور پھر نعرہ! لیکن جدید ترین افسانے اس نعرہ کو کوئی اہمیت نہیں دی گو اس نے بھی انسان ہی کو اپنا موضوع قرار دیا۔چنانچہ آج کے افسانوں میں انسان اپنی ذات کے ہفت خواں طے کرتا نظر آتا ہے، انتشار ذہن کی تصویر نظر آتی ہے اور شکست ذات جن المیوں کو جنم دیتی ہے ان کی کہانی سنائی جاتی ہے۔حقیقت پسندی تو یہ بھی ہے مگر فرق یہ ہے کہ ترقی

پسند افسانے نے اگر خارجی حقیقت نگاری پر زور دیا تو موجودہ افسانے نے داخلی حقیقت نگاری کو اپنا شعار بنایا۔"(۹)

انسان ہونے کے ناطے فرد کے کیا جذبات و احساسات ہیں ان کو پیش کیا جائے۔اس دور میں فرد کی ذات کو اہمیت دی گئی۔ایک شخص اپنے ارد گرد کے حالات و واقعات سے کیا اثر لیتا ہے۔ان حالات و واقعات کے بارے میں اس کے کیا تصورات ہیں وہ کسی چیز کے بارے میں کس انداز سے سوچتا ہے وہ اس کو بیان کرے۔اس رسالے نے نئی سوچ کی نمائندگی کی اس رسالے نے ایسی تخلیقات شائع کیں جو جدیدیت کے رجحان کی نمائندہ تھیں۔

جب "شب خون" کے جدید افسانوں نے انسان کی نفسیات اس کے احساسات کی تصویر کشی اپنے افسانوں میں پیش کرنا شروع کی خارجی حقیقت نگاری کے بجائے داخلی حقیقت نگاری کو اپنا منشور بنایا تو اس پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا گیا کہ یہ افسانے سماجی حقیقتوں کا بیان نہیں کرتے ہیں۔اس لیے ان پر مہمل اور لایعنی ہونے کے الزام بھی لگے۔ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر مجید مضمر لکھتے ہیں:

'پرانے وضاحتی افسانے اور جدید علامتی افسانے میں جو سب سے بڑا فرق ہے، وہ فنی بنیادوں پر قائم ہے یا رویے اور برتاؤ سے تعلق رکھتا ہے۔علامتی افسانوں کے بارے میں اس نوع کی معترضانہ رویہ بہت عام ہے کہ ان میں زندگی کی اور زندگی کی حقیقتوں سے فرار ملتا ہے یا یہ کہ یہ افسانے سماجی صورتِ حال سے لاتعلق ہیں۔ظاہر ہے کہ اس قسم کی آراء تخلیق کے معنوی پہلو سے متعلق ہیں، کسی تخلیق میں منطق کے عام اصولوں سے بُعد نظر آنے یا اس میں معنی کے نقوش دھندلے دکھائی دینے پر اس کو مہمل اور لایعنی قرار دینا مناسب نہیں۔اردو کے علامتی افسانوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے، کہ ان میں بھی ایسے ہی موضوعات پائے جاتے ہیں جنھیں ہم سماجی پس منظر میں تلاش کرتے ہیں۔۔۔۔۔دراصل سماجی صورتِ حال سے قطع تعلق کرنا جس طرح پیشرو افسانہ نگاروں کے لئے ناممکن تھا اسی طرح علامت نگاروں کے لئے بھی ناممکن ہے فکشن کا تصور بغیر سماجی معنویت اور سماجی روابط کے ناممکن ہے، لیکن روایتی افسانوں کے

بر عکس جدید علامتی افسانوں میں مؤرخانہ اور اطلاعاتی بیان نہیں ملتا۔ بلکہ سماجی واقعے سے مرتب شدہ تجربے کا اظہار ملتا ہے۔"(۱۰)

اس دور کے افسانہ نگار نے مؤرخانہ اور اطلاعاتی بیان سے گریز کیا۔" شب خون" کے افسانوں کی بنیادی خصوصیت تخلیقیت ہے۔ اس دور کے افسانہ نگاروں نے مقصدیت کو فن کے حق میں نقصان دے قرار دیا۔ اس دور کے افسانہ نگاروں نے تخلیقیت اور افسانے کے فن پر توجہ دی۔ اس دور میں افسانے میں کئی طرح کے تجربات کیے گئے۔ ان میں سے کچھ کامیاب نہیں بھی ہوئے ہوں گے لیکن یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ جدیدیت کے دور میں ہونے والے تجربات نے اردو افسانے کو وسعت دی۔ اس دور میں ایسے افسانہ نگار بھی ملتے ہیں جو علامتوں کے استعمال سے بخوبی واقف تھے ۔علامتوں کو افسانے میں برتنے کا بہترین طریقہ جانتے تھے۔ اس لئے اس دور میں بہت اچھے افسانے لکھے گئے۔ جو تخلیقی پختگی کی بہترین مثال ہیں اس بارے میں احمد علی جوہر لکھتے ہیں:

"جدید اردو افسانہ نگاروں نے ترقی پسند افسانہ کی بے جا مقصدیت و افادیت ادعائیت و اشتہاریت، پروپیگنڈے، نعرے بازی اور ہنگامہ خیزی جیسے منفی رویوں سے گریز کرتے ہوئے ،کہانی کی تخلیقیت اور ادبی اور فنی قدر پر زور دیا نتیجہ یہ ہوا کہ جدید افسانہ میں تخلیقی پختگی پیدا ہوئی اور فنی ہنر مندی نمایاں ہوئی۔"(۱۱)

۱۹۶۰ء سے ۱۹۸۰ء تک "شب خون" میں جو افسانے شائع ہوئے۔ ان افسانوں میں فرد کی آزادی کو اہمیت دی ادب کو فلسفے کا غلام بننے سے بچایا۔ فرد کی داخلیت جدید افسانوں کا موضوع ٹھہری۔ اس بات پر خاص توجہ دی گئی کہ کسی مقصد یا نظریہ کا بیان اس صورت نہ کیا جائے کہ افسانہ اشتہار یا تقریر کی صورت اختیار کر جائے۔ جدید افسانے میں فرد کی ذات، اس کی باطنی کیفیت کو، اس کی ذہنی الجھنوں کو اور فرد کی نفسیات اور ذہنی کشمکش کو افسانوں کا موضوع بنایا۔ شب خون" نئی سوچ کا ترجمان بنا۔ نئے افسانے کو سامنے لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ چونکہ جدید دور میں تہذیبی، سیاسی اور ثقافتی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں نے انسان کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔ ان تبدیلیوں کے اثرات اس کی زندگی پر مرتب ہوئے۔ انسان کے سوچنے کا انداز بدلا۔ انسان کی زندگی گزارنے کے طریقے بدلے جدید عہد کے افسانہ نگاروں نے اپنے عہد کے انقلابات کو اپنے عہد کے مسائل اور سماجی اور معاشرتی زندگی کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ظاہری بات ہے جب افسانے کے

موضوعات بدلے تو اس کو بیان کرنے کا طریقہ اور ڈھنگ بھی بدل گیا۔ فنی سطح پر جدید افسانے نے روایتی افسانے کے فن سے انحراف کیا اس کی ایک بڑی وجہ ان کے موضوعات کا فرق تھا۔ نئے موضوعات کو بیان کرنے کے لیے نئی تکنیکوں کو اختراع کیا گیا یعنی روائتی اور جدید افسانے میں جو فرق ہمیں نظر آتا ہے وہ اندازِ بیان کا فرق ہے۔ ہر افسانہ اپنی تخلیق اپنے مواد اور موضوع کی وجہ سے ایک نئے اور مختلف طریقہ کار کا متقاضی ہوتا ہے۔ جدیدیت کے رجحان کے تحت جو افسانے لکھے گئے ان کے موضوعات روایتی افسانے کے موضوعات سے مختلف تھے۔ اس لیے ان کو بیان کرنے کا انداز بھی روایتی افسانے سے مختلف تھا یعنی شمس الرحمٰن فاروقی جدید افسانے کے بارے میں یہ سمجھتے تھے کہ اگر افسانے میں تنوع پیدا کرنا چاہتے ہو تو افسانہ لکھنے کا صرف ایک طریقہ نہیں ہے جس طریقے پر پریم چند اور ان کے ساتھیوں نے افسانہ لکھا تھا نئے افسانہ نگاروں کو افسانے کے طرزِ اظہار پر اور طرزِ وجود پر غور کرنا ہوگا۔ شمس الرحمٰن فاروقی افسانے میں تنوع پیدا کرنے کے لیے اس چیز کو ضروری خیال کرتے ہیں کہ افسانے کو پرانے اسالیب اور پرانے روایتی طریقہ کار سے باہر لایا جائے شمس الرحمٰن فاروقی جدید افسانے کے روایتی فنی ڈھانچے کو بدل دینے کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "افسانہ لکھنے کا صرف ایک ہی طریقہ نہیں، یعنی وہ جو پریم چند نے رائج کیا تھا اور اگر افسانے میں تنوع پیدا کرنا ہے تو دوسرے اسالیب اور طریق کار بھی بروئے کار لائے جائیں۔ اس بات میں کوئی شرم نہیں ہے کہ افسانہ تجرید ہو، یا پلاٹ کی زمانی، منطقی ترتیب کو الٹ پلٹ دیا جائے، یا افسانے میں نام نہاد "واقعیت" اور "کردار نگاری" نہ ہو۔ میں نے لوگوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ افسانے کے بارے میں روایتی طور پر سوچنے کے بجائے افسانے کے طرز وجود پر غور کیا جائے۔"(۱۲)

اب افسانے میں روایتی افسانے کی طرح پلاٹ، کردار، آغاز اور اختتام نظر نہیں آتا تھا افسانے کی منطقی ترتیب کو نئے افسانہ نگاروں نے بدل کر رکھ دیا۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے کہا افسانہ بنانے کی صرف وہ ایک شکل نہیں جس طرح پریم چند کے دور میں لکھا گیا افسانے میں نئی نئی تکنیکیں اختراع کر کے اور نئے ہئیتی تجربات کیے جا سکتے ہیں۔ جدید افسانے کے فن کے متعلق بات کرتے ہوئے شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں:

''افسانے کی جو روایت یا جو ضابطے پریم چند سے لے کر ہمارے اوپر جاری کیے جا رہے ہیں، ہم ان کو نہیں مانتے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ افسانہ بنانے کی اور بھی شکلیں ہوتی ہیں۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ افسانے میں پلاٹ کو اور واقعات کو اس طرح پیش کریں جس طرح پریم چند اور ان کے ساتھی پیش کرتے تھے۔ پھر یہ کہ افسانے میں بھی مشکل کہنے کا رجحان پیدا ہوا جیسا کہ نظم میں تھا، غزل میں تھا، مشکل کہا جائے مبہم کہا جائے، زیادہ معنویت پیدا کی جائے۔ یہ کوشش تھی لیکن یہ چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ ہمیشہ ہی جدیدیت کے ہم معنی ہوں۔ ایک زمانہ تھا ان چیزوں کا اور ان سے فائدہ بھی بہت ہوا۔ تو اگر ایسا افسانہ آج نہیں لکھا جا رہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس افسانے نے اپنا کام پورا کر لیا۔ یہ بھی ہے کہ افسانے سے جو توقعات تھیں لوگوں کو وہ آج بہت بدل گئی ہیں۔ جس طرح کا افسانہ پریم چند لکھتے تھے اس طرح کا افسانہ اگر آج آپ لکھیں تو اسے کوئی پڑھے گا بھی نہیں، کیونکہ وہ افسانے آج اپنی معنویت کھو چکے ہیں۔ اور جدید افسانے نے افسانے کی طرز کو اتنا بدل دیا ہے کہ براہ راست اظہار اور بیان کا وہ رنگ جس میں ہر چیز پہلے سے معلوم تھی۔۔۔۔۔۔ اس طرح کے عمومی تصورات اور اوہام تھے ان پر اب افسانہ نہیں قائم ہو سکتا اور افسانے میں جدیدیت کا مطلب یہی ہے کہ تصورات کی جو پہلے سے اور رویے جو دوسرے لوگوں کے ہم پر جاری کئے Position سوچی ہوئی گئے تھے اس سے ہم انکار کرتے ہیں۔ جدید افسانہ تجریدی افسانہ بھی ہے اور نہیں بھی، ممکن تجریدی افسانہ ہو مگر جدید نہ ہو۔''(۱۳)

جدید افسانہ نگاروں نے وضاحتی انداز میں افسانہ کہنے کے بجائے علامتیت اور تجریدیت کی راہ اختیار کی۔ ''شب خون'' رسالہ نئے افسانے کو بام عروج تک پہنچانے میں پیش پیش رہا۔ اردو روایتی افسانے میں سادہ بیانیہ اسلوب اختیار کیا جاتا تھا۔ ترقی پسندوں کے نزدیک چونکہ بنیادی چیز فکر کی بلا روک وٹوک ترسیل تھی۔ اس لئے وضاحتی انداز اختیار کیا گیا اس میں تصنع بناوٹ ایک سیدھی لکیر پر چلتا ہوا سادہ بیانیہ اسلوب تھا۔ ترقی پسند افسانے کی بنیاد ''عوامی مقاصد'' پر تھی۔ اس لیے وہ افسانے کے لیے سادہ بیانیہ اسلوب کو پسند کرتے تھے تاکہ اپنا موقف واضح لفظوں میں بیان کیا جا سکے۔ اس لیے جدید

افسانے کا کثیر المعنویت ہونااور تحریر کی پیچید گی ان کو کھٹکتی تھی۔ شمس الرحمٰن فاروقی کہتے ہیں کہ ترقی پسندوں کی یہ بات مجھے ناپسند تھی:

> ''انھوں نے تحریر کی پیچید گی کو، کثیر المعنویت کو برا سمجھا۔استعارے کو برا سمجھا۔اسی تحریر کو جس کے کئی معنی نکل سکتے ہیں، برا سمجھا۔وہ یہ چاہتے تھے کہ بالکل صاف تحریر ہو۔ جیسے کہ نعرہ یا تقریر بیان ہوتا ہے۔ جس میں کسی کو شک کی گنجائش نہ ہو۔لوگوں کو ایک خاص طرح سے ،خاص لہجے میں زبان استعمال کرتے ہوئے سماجی تبدیلیوں اور انقلاب کی طرف مائل کیاجائے۔ جو کچھ ادب میں نے پڑھا تھا۔اس میں تو میں نے یہ دیکھا تھا کہ ادب کی خوبی اس میں ہے کہ وہ کتنا معنی خیز ہے،اس میں کتنی باریکیاں ہیں۔۔۔ترقی پسند تحریک میں ادب بطورِ فن کا ذکر نہیں آتا ۔ایک زمانے میں جب بہت نعرہ بازی تھی اور براہ راست گفتگو کا بڑازور تھا،ترقی پسند تحریریں بالکل اخباری بیان کی طرح ہو کر رہ گئیں۔''(۱۴)

اس دور میں افسانے میں فنی و فکری سطح پر بہت سے نئے تجربات کئے گئے۔علامتی اور تجریدی افسانے کو شب خون کی وساطت سے فروغ ملا۔ان افسانوں پر مبہم ہونے کاالزام بھی لگا۔کہ ''شب خون'' رسالے نے جدیدیت کے نام پر جانے کیاکچھ شائع کیالیکن ہر چیز کے کچھ مثبت اور کچھ منفی پہلو ضرور ہوتے ہیں۔اگر ''شب خون'' میں شائع ہونے والے کچھ افسانوں میں فنی اور فکری سطح پر کچھ کمزوریاں ہوں گی لیکن اس دور میں کیے جانے والے تجربات کے کچھ مثبت پہلو بھی تھے۔ جن کو نظرانداز نہیں کیاجاسکتا۔افسانے کے فن کے حوالے سے اس پر بہت اعتراضات بھی کیے گئے لیکن ان افسانوں نے اپنے قاری کو نئی سوچ سے روشناس کروایا۔اس بارے میں سیفی سرونجی لکھتا ہے:

> انھوں (شمس الرحمٰن فاروقی) نے ایسی کہانیاں ''شب خون'' میں چھاپیں جو علامتی تجریدی اور جانے کیا کیا تھیں، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ فاروقی صاحب نے قاری کو نئی سوچ اور نئی فکر سے آشنا کیا۔اس لئے کہانی میں کچھ نیاپن ہو تو ضرور متوجہ کرتا ہے۔''(۱۵)

جدید اردو افسانہ نگاروں نے بے جا مقصدیت ،پروپیگنڈے ،نعرے بازی ، نظریے کی جکڑ بندی سے اردو افسانے کو آزاد کیا۔جدید افسانہ نگاروں نے افسانے کو غیر تخلیقی عناصر سے نجات دلائی۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے ''شب

خون'' کے لئے ایسی تحریروں کو شائع کرنے کے لئے منتخب کیا جن کی ایک تخلیقی شان تھی ''شب خون'' میں شائع ہونے والی تحریروں کی ایک منفرد خصوصیت تھی جن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس رسالے کے صفحات کو سجایا جاتا تھا ان کا ذکر کرتے ہوئے شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں: ''میں نے اس طرح کی چیزوں کو چھاپا، اس طرح کی چیزوں کا ذکر کیا۔

> جنھیں میں ادب کے صحیح نمونے سمجھتا تھا، یعنی ایسے نمونے جن میں تخلیقی شان ہو، تجربہ کوشی ہو کسی سیاسی یا سماجی غرض کو فن پر فوقیت نہ دی گئی ہو۔ میں نے ان کی تفہیم کی، سمجھایا، لوگوں تک پہنچایا۔''(۱۶)

۱۹۶۰ء سے ۱۹۸۰ء تک کا جو دور ہے۔ جس کو جدیدیت کا دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں لکھا گیا افسانہ ترقی پسند افسانے کا ردِ عمل معلوم ہوتا ہے۔ جس میں انتہاء درجے کی شدت پسندی نظر آتی ہے ترقی پسندوں سے الگ اور منفرد راہوں کی تلاش نئی نئی زمینوں کے لیے تگ ودو نظر آتی ہے۔ اس دور میں اردو افسانہ نگاری میں بہت سے نئے نئے تجربات کیے گیے ان تجربوں نے کہانی لکھنے کا نیا انداز متعارف کروایا اس بارے میں ترنم ریاض لکھتی ہیں:

> جدیدیت کی تحریک کا مثبت پہلو یہ ہے کہ اس میں افسانے کے امکانات کو خوب تلاش کیا گیا ، بے پناہ تجربے کئے گئے۔ ان تجربوں سے کہانی میں نیا پن اور تازگی آئی۔''(۱۷)

جدید افسانے نے خارجی مسائل کے بجائے داخلی مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا اور اردو افسانے کو انسان کی باطنی کیفیات کا عکاس بنایا۔ جدید افسانہ نگاروں نے فرد کی آزادی کو اہمیت دی افسانہ نگاروں کو اظہارِ رائے کی آزادی دی یعنی ایک افسانہ نگار ایک انسان کی حیثیت سے کس انداز سے سوچتا ہے اس کی نفسیات، اس کے جذبات احساسات کیا ہیں ان کو افسانوں میں بیان کیا جانے لگا۔ انسان کی ذہنی کشمکش جدید افسانے کا موضوع ٹھہری۔ انسان کے اچھے برے، سیاہ سفید، ہر زاویہ کو پرکھنے اور خارجی اور باطنی زندگی میں باہم ربط پیدا کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ جدید افسانے نے فرسودہ اندازِ فکر اور فرسودہ اندازِ بیان سے انحراف کرتے ہوئے افسانہ نگاروں کو سوچنے کے نئے انداز اور نئی فکر سے روشناس کروایا۔ جدید افسانہ نگاروں نے افسانہ کو قطعیت اور خارجیت کی قید سے چھڑا کر داخلیت اور جامعیت کی جانب توجہ مبذول کروائی اس طرح جدید افسانہ نگاروں نے افسانے کو اس کی تخلیقی شان واپس دلوائی۔ جدید افسانہ اپنے موجودہ عہد کے پیچیدہ سیاسی و تہذیبی احوال کا آئینہ ہے۔ جدید افسانہ نگاروں نے جدید افسانے میں اپنے جدید عہد کے سماجی مسائل کو بیان کیا یعنی نیا افسانہ انسان کی

داخلیت کی تصویر پیش کرتا ہے۔انسان کی نفسیاتی الجھن انسان کے ذہنی ہیجان کو بیان کرتا ہے۔افسانہ نگاروں نے افسانے کو نئی نئی تکنیکوں کے قالب میں ڈھالا نت نئی تکنیکیں اختراع کیں، شعری، نثری، تمثیلی، داستانی اور کتھا کی زبان میں افسانے لکھنے کو رواج ملا۔دیومالائی، حکایتی، تمثیلی،اور داستانی زبان کا استعمال کیا جانے لگا۔جدید افسانے میں معنوی تہہ داری پائی جاتی ہے یہ ہی وجہ ہے کہ جدید اردو افسانے کی اشاریت ،رمزیت ،ایجاز واختصار جدید افسانے کی خصوصیت ٹھہرا۔جدید افسانہ نگاروں نے فارمولا اسٹوری کی روایت سے انحراف کرتے ہوئے۔مصوری اور شاعری کے امتزاج سے افسانے کو نئی شکل دی اور نئے انداز بیان اور اچھوتے پیرائے کے ذریعے اس کو روایتی افسانے سے منفرد کیا۔''شب خون'' جیسے جدیدیت کے ترجمان رسالے نے جدیدیت کے تحت لکھنے والے افسانہ نگاروں کو ایک پلیٹ مہیا کیا۔اس رسالے کے وساطت سے جدید افسانے جو علامتی اور تجریدی تھے قارئین تک پہنچے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے رسالے میں ایسے افسانوں کو شائع کیا جن میں تخلیقی شان تھی ان افسانوں میں سیاسی یا سماجی غرض کو فن پر برتری نہیں دی گئی تھی۔''شب خون'' نے اردو افسانے میں ہونے والے نئے تجربات کو اپنے رسالے میں شائع کیا اردو افسانے میں کیے جانے والے نئے تجربات کی وجہ سے کہانی میں نیاپن اور تازگی آئی۔

حوالہ جات

۱۔عامر نظیر ڈار،افسانے کے فروغ میں ماہنامہ آجکل کا کردار،ایجو کیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۴، ص ۹

۲۔ شمس الرحمٰن فاروقی،انٹرویو شمس الرحمٰن فاروقی سے ایک گفتگو، مشمولہ شمس الرحمٰن فاروقی محو گفتگو، مرتبہ ڈاکٹر رحیل صدیقی، رعنا کتاب گھر، نئی دہلی ۲۰۰۴، ص ۱۶۰

۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی، شمس الرحمٰن فاروقی محو گفتگو، ص ۲۷۴

۴۔ محمد متین ندوی، مضمون، سیفی سرونجی کا قابل قدر تاریخی کارنامہ، مشمولہ، اردو افسانہ ترقی پسند تحریک کے بعد، انتساب پبلشنگ، ۲۰۱۲ء، ص ۵

۵۔ قمر رئیس، مضمون، معاصر افسانہ کا منظر اور پس منظر، مشمولہ نمائندہ اردو افسانے، اردو اکادمی دہلی، ۱۹۹۹ء، ص ۱۲۰

۶۔ شمس الرحمٰن فاروقی، انٹرویو شمس الرحمٰن فاروقی سے ایک گفتگو، ص ۱۵۵

۷۔ شمس الرحمٰن فاروقی، میری گزارشِ احوال واقعی، مشمولہ رسالہ بنیاد، شمارہ ۱، جلد سوم، یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۲۲

۸۔ شمس الرحمٰن فاروقی، فاروقی محوِ گفتگو، ص ۱۵۳

۹۔ سلیم اختر، افسانہ حقیقت سے علامت تک، اردو رائٹرس گلڈ، الہ آباد، ۱۹۸۰ء، ص ۱۰۵

۱۰۔ ڈاکٹر مجید مضمر، اردو کا علامتی افسانہ، نیو لیتھو آرٹ پریس، دہلی، ۱۹۹۰ء، ص ۱۹۴

۱۱۔ احمد علی جوہر، طارق چھتاری: فکر و فن، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، (س، ن)، ص ۴۵۔

۱۲۔ شمس الرحمٰن فاروقی، میری گزارش احوال واقعی، ص ۱۹

۱۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی، فاروقی محو گفتگو، ص ۱۷۵، ۱۷۴

۱۴۔ شمس الرحمٰن فاروقی، فاروقی محوِ گفتگو، ص ۱۵۵

۱۵۔ سیفی سرونجی، اردو افسانہ ترقی پسند تحریک کے بعد، ص ۵۵

۱۶۔ شمس الرحمٰن فاروقی، انٹرویو، شمس الرحمٰن فاروقی سے ایک بے تکلف گفتگو، اکرام نقاش پنجند۔ کام

۱۷۔ ترنم ریاض، میرے تخلیقی محرکات اور آج کی ادبی فضا، مشمولہ اردو مابعد جدیدیت پر ایک مکالمہ، مرتبہ، گوپی چند نارنگ، اردو اکادمی دہلی، ۱۹۹۸ء، ص ۴۹۳